AL-AHQAQ Recognized by HEC in Y-Category
https://ahqaq.com/index.php/Journal/article/view/35 ONLINE - ISSN- 3006-595X
Volume.2, Issue.2 (2024) PRINT - ISSN- 3006-5941

مثالی نظام تعلیم کی تشکیل بذریعہ سائنسی و تکنیکی علوم: تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

Unique education system through scientific and technical sciences

(In the light of the Prophet's teachings ﷺ)

Ali Shan

PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Superior University Lahore, Punjab, Pakistan, hmhamidfaridi@gmail.com

Muhammad Qaiser

PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Superior University Lahore, Punjab, Pakistan, qm78586@gmail.com

Abstract:

Education plays a pivotal role in the economic and social development of any country. Only a balance Education system can develop a healthy society. Education plays a vital role in the progress of any nation and is instrumental in bringing about social change and development. Education is now the prime necessity in the development of Pakistan. Science is an essential part of general education, both for the learning of concepts and principles which affect many aspects of everyday life, and for an understanding of how life has been revolutionized throughout constantly changing nature by technological advances. Science and technology education, both as distinct and integrated subjects, relies on a traditional conception of science and technology as quite different and separated enterprises. School-level science has an association with the education and training of human resources, with national income, the special character of a nation's lifestyle, and the quality of health and atmosphere. The world is moving ahead very quickly in technological science. All predict that in the days to come,

education will be technology-based, so the understanding of the emerging latest, current information in the field of science and technology is inevitable. Therefore, keeping in view the above importance, the science education system needs in the modern world to be viewed from a new perspective involving the restructuring of science education in the light of twenty-first-century skill in the age of demographic dividend aimed at envisaging clear goals, the development of technological and infrastructure facilities required for achieving the milestones of educational objectives in the CCE system..

Key Words: Islam, Education, Society, Science, Technology

تعارف

مسلم امہ کو درپیش چیلنجز میں سے ایک اہم چیلنج ہمارا آج کا نظام تعلیم ہے۔ یہ نظام تعلیم نہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے اور نہ مسلمانوں کی عصری ضروریات پوری کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس نظام تعلیم کو بدلیں اور اسلامی تقاضوں اور عصری ضروریات کے مطابق اس کی تشکیلِ نو کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم کی غایت واہمیت اور اس کی موجودہ صورت حال کو سمجھا جائے اور اس کی اسلامی تشکیلِ نو کے منہج اور طریق کار پر غور کیا جائے۔ آج کا دَور سائنسی علوم کی معراج کا دَور ہے، اِس لئے دَورِ حاضر میں دِین کی صحیح اور نتیجہ خیز اِشاعت کا کام جدید سائنسی بنیادوں پر ہی بہتر طور پر سرانجام دِیا جاسکتا ہے۔ بناءبریں اِس دَور میں اِس اَمر کی ضرورت گزشتہ صدیوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے کہ مُسلم معاشروں میں جدید سائنسی علوم کی ترویج کو فروغ دیا جائے اور دِینی تعلیم کو سائنسی تعلیم سے مربوط کرتے ہوئے حقانیتِ اِسلام کا بول بالا کیا جائے۔ چنانچہ آج کے مسلمان طالبِ علم کے لئے مذہب اور سائنس کے باہمی تعلق کو قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

مذہب 'خالق'(Creator) سے بحث کرتا ہے اور سائنس اللہ تعالی کی پیدا کردہ 'خَلق'(creation) سے۔ دُوسرے لفظوں میں سائنس کا موضوع 'خَلق' اور مذہب کا موضوع 'خالق' ہے۔ اگر مخلوق پر سوچ بچار مثبت انداز میں کی جائے تو اُس سے لامحالہ اِنسان کو خالق کی معرفت نصیب ہوگی اور وہ بے اِختیار پکار اُٹھے گا:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً۔[i]

"اے ہمارے رب! تونے یہ (سب کچھ) بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا۔"

بندۂ مومن کو سائنسی علوم کی ترغیب کے ضمن میں اللہ ربّ العزت نے کلامِ مجید میں ایک اور مقام پر یوں اِرشاد فرمایا:

سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔[ii]

"ہم عنقریب اُنہیں کائنات میں اور اُن کے اپنے (وجود کے) اندر اپنی نشانیاں دِکھائیں گے، یہاں تک کہ وہ

جان لیں گے کہ وہی حق ہے۔"

اِس آیتِ کریمہ میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اِنسان کو اُس کے وجود کی اندرونی نشانیاں (internal signs) بھی دِکھادیں گے اور کائنات میں جابجا بکھری خارجی نشانیاں (external signs) بھی دِکھادیں گے، جنہیں دیکھ لینے کے بعد بندہ خود بخود بے تاب ہو کر پکار اُٹھے گا کہ حق صرف اللہ ہی ہے۔

تعلیم وتربیت کا مفہوم

تعلیم افراد کی صلاحیتوں کی نشوونما کا ایک ایسا عمل ہے۔ جس کا مقصد انہیں معاشرہ میں کامیاب زندگی گزارنے کے قابل بنانا ہے۔ اس عمل کے ذریعے ایک معاشرہ اپنی تہذیبی، معاشرتی اور علمی روایات اگلی نسلوں کو منتقل کرتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے تعلیم کا مادہ علم ع،ل،م ہے، اس کے معنی ہیں:

" العلم ادراک الشیء بحقیقته "۔[iii]

کسی شے کو اس کی حقیقت کے حوالے سے جان لینا علم ہے۔

عبدالحفیظ بلیاوی علم کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

علم کے معنی حقیقت کی گہرائی کا ادراک اور یقین و معرفت ہے"۔[iv]

جب کہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے حوالے سے علم کی تعریف یوں بیان کی ہے:

علم دراصل کسی شے کی حقیقت کا ادراک ہے"۔[v]

تعلیم کا عمل انسان کی پیدائش کے بعد سے شروع ہو کر زندگی کے آخری لمحہ تک جاری رہتا ہے۔ یہ مختلف ارتقائی مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔ ہر دور کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دور کے علماء نے اس کے اصول و نظریے مرتب کرنے کی کوششیں کی۔ افلاطون کی " The Republic " تیرھویں صدی میں سینٹ تھامس ایکوناس کی "SummaContra Gentiles"، سترھویں صدی میں جان لاک کی "Some Thoughts Concerning Education" اور "Conduct of the Understanding" اٹھارویں صدی میں روسو کی "Emile"، انیسویں صدی میں کارل مارکس کی "Das Capital" اور بیسویں صدی میں جان ڈیوی کی "How we Think" اور "Democracy and Education" میں تعلیم کے بارے میں مختلف فلسفے اور نظریے پیش کیے گئے۔ کسی نے علم کی بنیاد پر معاشرہ کو حاکم و محکوم میں تقسیم کیا تو کسی نے مذہب کو عقل سے بڑا گردانا کسی نے ریاست اور چرچ کے مقابلے میں فرد کی آزادی کو بڑا جانا اور کسی نے انسان کو محض معاشرے کا ایک پرزہ قرار دیا۔ انہی نظریات کی بدولت ایک معاشرہ اپنے تمدن، روایات اور رسوم کو رواج دیتا ہے جو نسل در نسل چلتی ہیں اور پھر اسی تمدن کو پوری دنیا میں پھیلانے کی کوشش اور سعی کرتا ہے۔

عصر حاضر میں تعلیم کی حیثیت معیشت سے بھی زیادہ ہے اور اسے براہ راست افرادی قوت (Man Power) کی طلب اور رسد سے جوڑا جاتا ہے۔ آج کے ٹیکنالوجی کے دور میں ان پڑھ اور جاہل انسان کی کوئی اہمیت نہیں ہے، ترقی کی دوڑ میں محض وہ ملک ہی دوسروں کا مقابلہ کر سکتا ہے جس کی افرادی قوت تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو اور پھر وہی ملک ان پڑھے لکھے افراد کی وجہ سے دنیا کی معیشتوں پر سبقت لے سکتا

ہے۔ اور اب معیشت کی تمام سرگرمیاں تمدن اور تمدنی فروغ سے مشروط ہیں، اس لیے بڑے ممالک اپنے تمدنوں کو دوسرے ممالک میں نافذ کرنے کے درپے ہیں اور اس کے لیے وہ ہر حربہ اور چینل استعمال کر رہے ہیں کیونکہ سبقت اور برتری کے لیے ضروری ہے کہ ریاست کے پاس مختلف شعبہ جات میں ماہر (Expert) افراد کی ایک بڑی کھیپ موجود ہو جو کہ تعلیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ فرانس بیکن لکھتا ہے:

> Crafty men contemn studies, simple men admire them and wise men use them." [vi]

بے وقوف آدمی تعلیم کی مذمت کرتے ہیں، عام آدمی اس کی تعریف کرتے ہیں جبکہ عقل مند آدمی اس (حاصل شدہ تعلیم کو) استعمال میں لاتے ہیں (عملی زندگی میں استعمال کرتے ہیں)۔

اسلامی نظام حیات میں تعلیم کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ چیز محسوس ہوتی ہے کہ اسلام ایک علمی تحریک ہے۔ قرآن مجید میں لفظ علم اور اس سے ماخوذ الفاظ تقریباً چار سو (400) سے زائد دفعہ آئے ہیں۔ احادیث کی تمام کتب میں کتاب العلم کے عنوان سے سینکڑوں احادیث جمع کی گئی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے اپنے اسوۂ حسنہ میں تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر اس کے حصول پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ کوئی بھی مسلم مفکر ایسا نہیں جس نے تعلیم سے متعلقہ مسائل پر غور و فکر نہ کیا ہو۔ کسی بھی مفکر کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو تعلیم سے متعلق اس کی فکر واضح ہو جائے گی۔ امام غزالی، ابن خلدون، شاہ ولی اللہ، علامہ اقبال اور دیگر علماء اور مفکرین اسلام نے فلسفہ تعلیم پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اسلام کا نظریہ تعلیم نکات کی صورت میں درج ذیل ہے۔

انسانی تخلیق کے طریق کو سمجھنے کے لیے انسان کو بیالوجی (Biology) اور زوالوجی (Zoology) جیسے مضامین میں مہارت حاصل کرنا ہوگی جو کہ خالص سائنسز (Pure Sciences) کے مضامین ہیں، ان کا تعلق انسانی عقل سے ہے۔ پہلی ہی وحی میں اللہ رب العزت نے انسان کو عقل کے استعمال کی دعوت دی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے وحی کے تابع علم اور عقل کو بنیاد بنایا۔ اسلام کے علمی نظریہ کے مطابق علم اسے ہی کہا جا سکتا ہے جو انسان کو گمراہی سے نکالے اور اسے ہدایت کی طرف لے آئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔[vii]

اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو ایمان لائیں، ان کو ظلمات سے نکالتا ہے روشنی کی طرف (داخل کرتا ہے)۔"

نبی اکرم ﷺ کا یہی نظریہ علم ہے کہ علم کی روشنی کائنات کے ہر فرد تک پہنچا دی جائے تاکہ پوری انسانیت کو ظلمت اور جاہلیت کے اندھیروں سے نکالا جائے اور انہیں روشنی اور علم کی وادیوں میں داخل کر دیا جائے اور انسان کو جو شرف اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، وہ اس پر پورا اتر جائے۔

علم کی تحصیل۔ تمام انسانوں کا بنیادی حق

آپ ﷺ کا فرمان کہ علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے، لوگوں میں شعور بیدار ہوا، انہوں نے آزادانہ سوچنا شروع کر دیا۔ عرب معاشرہ میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم یہ ایک نیا نظریہ تھا جس میں تعلیم کی اہمیت کو اتنا اجاگر کیا گیا کہ اس کے حصول کو فرض عین قرار دیا گیا۔ اس شرح خواندگی میں اضافے کے لیے آپ ﷺ نے مختلف ارشادات فرمائے۔ نبی کریم ﷺ نے علم کے حوالے سے ایک بنیادی اصول ارشاد فرمایا کہ کسی بھی حوالے سے تم پہلے تعلیم حاصل کرو، حصول تعلیم کے بعد تم پر ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تم اس حاصل شدہ

علم کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"أَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" ۔[viii]

تم میں سے افضل وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔"

تعلیم کے حوالے سے اسلام نے جنس کی قید کیے بغیر اس کا حصول ہر ایک کے لیے لازمی قرار دیا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے بقول دنیا میں موجود تمام نظریات اور معاشروں میں اسلام وہ واحد نظام اور تمدن ہے جس نے تعلیم کو ہر انسان کا بنیادی حق قرار دیا۔ اسلام سے پہلے یہ تصور موجود نہیں تھا۔ ہر معاشرہ اور قبیلہ صرف اپنے اعلیٰ طبقے، حکمران خاندان کو ہی اس قابل قرار دیتا تھا کہ وہ تو تعلیم حاصل کرے اور تعلیم کا حصول محض ان کا حق ہے، ان کے لیے ہی اس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ عام افراد اس نظام تعلیم سے خارج سمجھے جاتے تھے۔([ix]) حالانکہ انسانی زندگی کی بقاء اور اس میں پیش آنے والے مختلف ارتقائی معاملات میں کسی ایسے رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے ان رازوں سے واقف کر دے جو ابھی تک اس کے لیے پوشیدہ تھے۔ گویا تعلیم انسان کی فطری ضرورت ہے جو اسے داخلی اور خارجی معاملات سے روشناس کرواتی ہے۔

علم کی اقسام

اسلام نے علم کو تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا۔ اس حدیث کے تناظر میں یہ بحث ایک معمولی چیز ہے کہ کون سے علوم ہیں جن کا اس حدیث میں تذکرہ کیا جارہا ہے۔ اسلام وہ دین ہے جس نے علم کو نافع اور غیر نافع علم میں تقسیم کیا۔ نافع علم کی طرف رغبت دلائی اور غیر نافع علم کے حصول سے بچنے کی تاکید کی۔ امام غزالی نے اس حوالے سے علماء کے ایسے رویے پر ایک لمبی بحث کی ہے، پھر وہ فرض عین علم کا بیان کرتے ہیں:

أن العلم ينقسم الى علم معاملة وعلم مكاشفة وليس المراد بهذا العلم الا علم المعاملة.
والمعاملة التي كلف العبد العاقل البالغ العمل بها ثلاثة اعتقاد وفعل وترك۔[x]

علم کی دو قسمیں ہیں: 1۔ علم، 2۔ معاملہ علم مکاشفہ۔ حدیث میں جس علم کو ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے، وہ علم معاملہ ہے۔ وہ معاملات جن کا ایک عاقل، بالغ شخص، مکلف اور پابند قرار دیا گیا ہے، تین ہیں۔ اعتقاد، عمل اور ترک عمل"۔

اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار اور تصدیق ہے، تصدیق ایسی کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک یا تردد باقی نہ رہے۔ کلمہ توحید کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ طہارت اور نماز کے مسائل سیکھے، روزے کے مسائل کا اسے پتہ ہو، صاحب نصاب ہونے پر اسے زکوۃ کے ضروری مسائل کا علم ہو اور صاحب استطاعت ہونے پر حج کے مسائل کا جاننا بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح جو چیزیں حرام ہیں مثلاً مردار، سور کا گوشت، شراب، ریشم وغیرہ تو اسے بتادیا جائے گا کہ یہ چیزیں اس کے لیے جائز نہیں ہیں، لہذا اسے یہ تمام چیزیں چھوڑنی پڑیں گی۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

العلم الذي هو فرض عين ومعناه العلم بكيفية العمل الواجب فمن علم العلم الواجب ووقت وجوبه فقد علم العلم الذي هو فرض عين۔[xi]

عمل واجب کی کیفیت کا جاننا فرض عین ہے۔ جو شخص واجب عمل اور وجوب کے وقت سے واقف ہو جائے،

اس کے متعلق کہا جائے گا کہ اس نے فرض عین کا علم حاصل کر لیا ہے۔"

امام غزالی علم کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

والعلوم بالإضافة إلى الغرض الذي نحن بصدده تنقسم إلى شرعية وغير شرعية وأعني بالشرعية ما استفيد من الأنبياء صلوات الله عليهم وسلامه ولا يرشد العقل إليه مثل الحساب ولا التجربة مثل الطب ولا السماع مثل اللغة فالعلوم التي ليست بشرعية تنقسم إلى ما هو محمود وإلى ما هو مذموم وإلى ما هو مباح فالمحمود ما يرتبط به مصالح أمور الدنيا كالطب والحساب وذلك ينقسم إلى ما هو فرض كفاية وإلى ما هو فضيلة وليس بفريضة أما فرض الكفاية فهو علم لا يستغني عنه في قوام أمور الدنيا كالطب إذ هو ضروري في حاجة بقاء الأبدان وكالحساب فإنه ضروري في المعاملات وقسمة الوصايا والمواريث وغيرهما وهذه هي العلوم التي لو خلا البلد عمن يقوم بها حرج أهل البلد وإذا قام بها واحد كفى وسقط الفرض عن الآخرين،فلا يتعجب من قولنا إن الطب والحساب من فروض الكفايات فإن أصول الصناعات أيضاً من فروض الكفايات كالفلاحة والحياكة والسياسة بل الحجامة والخياطة فإنه لو خلا البلد من الحجام تسارع الهلاك إليهم وحرجوا بتعريضهم أنفسهم للهلاك،فإن الذي أنزل الداء أنزل الدواء وأرشد إلى استعماله وأعد الأسباب لتعاطيه فلا يجوز التعرض للهلاك بإهماله،وأما ما يعد فضيلة لا فريضة فالتعمق في دقائق الحساب وحقائق الطب وغير ذلك مما يستغنى عنه ولكنه يفيد زيادة قوة في القدر المحتاج إليه،وأما المذموم فعلم السحر والطلسمات وعلم الشعبذة والتلبيسات،وأما المباح منه فالعلم بالأشعار التي لا سخف فيها وتواريخ الأخبار وما يجري مجراه۔[xii]

وہ علوم جن کی فرضیت یا عدم فرضیت کی بحث پیش نظر ہے، دو طرح کے ہیں: شرعی اور غیر شرعی علوم۔ شرعی علوم سے ہم وہ علوم مراد لیتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم تک پہنچے۔ عقل، تجربے یا سماعت کا ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔ علم الحساب علم الطب، علم اللغت شرعی علوم نہیں کیونکہ ان میں پہلے کا تعلق عقل سے، دوسرے کا تجربے سے اور تیسرے کا سماع سے ہے۔ اس کے بعد غیر شرعی علوم میں سے بعض ایسے ہیں جو پسندیدہ ہیں، بعض غیر پسندیدہ اور بعض مباح کا درجہ رکھتے ہیں۔ پسندیدہ علوم وہ ہیں جن سے دنیاوی زندگی کی مصالح وابستہ ہیں جیسے علم طب اور علم حساب۔ ان میں سے بھی بعض علوم فرض کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض صرف اچھے ہیں، فرض نہیں ہیں۔ فرض کفایہ وہ علوم ہیں جو دنیاوی نظم کے لیے ناگزیر ہیں، جیسے طب تندرستی اور صحت کی سلامتی کے لیے ضروری ہے یا حساب کی خرید و فروخت کے معاملات، وصیتوں کی تکمیل اور مال وراثت کی تقسیم وغیرہ میں لازمی ہے۔ یہ علوم ایسے ہیں کہ اگر شہر میں ان کا کوئی جاننے والا نہ ہو تو تمام اہل شہر کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تاہم ان میں سے اگر ایک شخص بھی ان علوم کو حاصل کر لے گا تو باقی لوگوں کے ذمے سے یہ فرض ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ دیگر پیشے جیسے پارچہ بانی، زراعت اور سیاست بھی فرض کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ سینا، پرونا اور پچھنے لگانا بھی فرض کفایہ ہیں کہ اگر شہر بھر میں کوئی فاسد خون نکالنے والا نہ ہو تو جانوں کی ہلاکت کا خوف رہتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جس نے بیماری دی ہے اس نے دوا بھی اتاری

ہے اور علاج کا طریقہ بھی بتلایا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں؟ بلاوجہ اپنے آپ کو ہلاکت کی نذر کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے پچھنے لگانے کا علم بھی فرض کفایہ ہے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ طب اور حساب کا صرف وہ حصہ فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے جس سے انسانی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ طب اور حساب کی باریکیوں کا علم پسندیدہ ہے، فرض کفایہ نہیں ہے۔ غیر شرعی علوم میں ناپسندیدہ علوم جادوگری، شعبدہ بازی اور ایسا علم جس سے لوگوں کو دھوکا دینا مقصود ہے، جبکہ شعر و شاعری، تاریخ یا اس سے متعلقہ دیگر علوم مباح ہیں۔

فن طب

انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے اور مرض بھی ان دونوں چیزوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ روح کے ساتھ ملحقہ امراض کو روحانی اور جسم کے امراض کو جسمانی امراض کہتے ہیں۔ روحانی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے انبیاء، کتب آسمانی اور اولیاء امت اور علماء کا ایک گروہ اتارا جبکہ جسمانی ضروریات کی تکمیل کے لیے زمین، پانی، ہوا، خوراک، لباس، مکان اور دیگر لوازمات زندگی عطا کیے۔ خوراک، موسمی حالات، عمر کے تقاضے اور ناگہانی حادثات و واقعات انسانی صحت پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ ان اثرات کو زائل کرنے اور انسان کو دوبارہ رواں زندگی کے لیے کارگر بنانے کے لیے مختلف قسم کی طریقے استعمال کیے جاتے ہیں، اسے طب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ انسانی صحت اور طب کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ طب میں انسانی بدن پر بیماری و صحت کی حیثیت سے بحث کی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے علوم کو دو ہی حصوں میں تقسیم فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

العلم علمان، علم الأديان وعلم الابدان ۔[xiii]

علم دو ہیں: دین کا علم اور جسم (طب) کا علم۔"

مشرکین اور یہودیوں سے جنگوں کے دوران خواتین نرسنگ کی غرض سے اپنے زخمی مسلمان بھائیوں کی طبی امداد کے لیے ان معرکوں میں حصہ لیتی تھیں جس سے اس چیز کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں خواتین شعبہ طب سے وابستہ تھیں۔ حضرت ربیع بنت معوذؓ فرماتی ہیں:

كنا نغزوا مع رسول الله ﷺ نسقى القوم ونحلمهم ونرد القتلى والجرحى الى المدينة۔[xiv]

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتی تھیں اور مسلمان مجاہد کو پانی پلاتی، ان کی خدمت کرتیں اور مقتولین اور زخمیوں کو مدینہ منورہ لایا کرتی تھیں۔"

غزوہ احد میں جب نبی اکرم ﷺ زخمی ہوئے تو آپ ﷺ کا زخم حضرت علی کے ساتھ حضرت فاطمہ نے بھرا تھا۔ اسلام سے پہلے بھی اور بعد میں بھی طب کا فن عربوں میں بہت سے لوگوں کو آتا تھا۔ اسلام کے بعد اس میں کافی ترقی ہوئی۔ عباسی دور میں یہ فن اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ دنیا کی کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسی زمانہ میں اندلس میں بھی اس فن نے بڑی ترقی کی حتی کہ یورپ سے لوگ اندلس آکر طب کا فن سیکھتے۔ علامہ ابن خلدون بھی علوم کی اسی طرح تقسیم کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

اعلم أنّ العلوم الّتي يخوض فيها البشر ويتداولونها في الأمصار تحصيلا وتعليما هي على

صنفين: صنف طبيعيّ للإنسان يهتدي إليه بفكره، وصنف نقليّ يأخذه عمّن وضعه. والأوّل هي العلوم الحكميّة الفلسفيّة وهي الّتي يمكن أن يقف عليها الإنسان بطبيعة فكره ويهتدي بمداركه البشريّة إلى موضوعاتها ومسائلها وأنحاء براهينها ووجوه تعليمها حتّى يقفه نظره ويحثّه على الصّواب من الخطإ فيها من حيث هو إنسان ذو فكر. والثاني هي العلوم النّقليّة الوضعيّة وهي كلّها مستندة إلى الخبر عن الواضع الشّرعيّ. ولا مجال فيها للعقل إلّا في إلحاق الفروع من مسائلها بالأصول لأنّ الجزئيّات الحادثة المتعاقبة لا تندرج تحت النّقل الكلّيّ بمجرّد وضعه فتحتاج إلى الإلحاق بوجه قياسيّ. إلّا أنّ هذا القياس يتفرّع عن الخبر بثبوت الحكم في الأصل وهو نقليّ فرجع هذا القياس إلى النّقل لتفرّعه عنه. وأصل هذه العلوم النّقلية كلّها هي الشّرعيّات من الكتاب والسّنّة الّتي هي مشروعة لنا من الله ورسوله۔[xv]

جن علوم پر انسان غور کرتا ہے اور جن کی تحصیل و تعلیم شہروں میں عام طور پر کی جاسکتی ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک انسان کے لیے طبعی ہے جسے وہ اپنی قوت فکر سے حاصل کرتا ہے اور دوسری نقلی ہے جسے اس کے وضع کرنے والے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم علوم حکمیہ فلسفیہ ہیں۔ یہ وہ علوم ہیں جن سے انسان اپنے غور و فکر کی طبیعت کے ذریعہ واقف ہوتا ہے اور اپنے بشری ادراک کے ذریعہ ان کے مسائل اور براہین تک پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی نظر وسیع ہو جاتی ہے اور وہ اس حیثیت سے کہ وہ صاحب غور و فکر انسان ہے، اس کے صواب و خطا کی تمیز کرتا ہے۔ اور دوسرے وہ وضع کیے ہوئے نقلی علوم ہیں جو واضع شرعی کی خبر کی بنیاد پر قائم ہیں اور اس میں عقل کو دخل نہیں ہوتا بجز اس کے کہ اس کے فروعی مسائل کو اس کے اصول سے عقل و قیاس کے ذریعے سے ملانے کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ بعد میں پیش آنے والے جزئیات نقلی کلی کے ماتحت اپنی وضع کے وقت درج نہیں کیے جاسکتے، اس لیے قیاسی صورت کے الحاق کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن یہ قیاس بھی اصل میں حکم کے ثبوت کے ساتھ خبر ہی سے لگتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ قیاس بھی نقل قرار پائے گا اور ان تمام نقلی علم کی شرعی بنیاد کتاب و سنت ہے جو ہمارے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مشروع کیا گیا ہے۔

مختلف علوم میں مہارت کا حصول

معاشرتی اور تمدنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں رہنے والے افراد میدان عمل کے تمام میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمام کے تمام افراد ایک ہی میدان سے وابستہ ہو جائیں اور دیگر علوم حاصل نہ کریں، جس سے ایک بہت بڑا خلاء پیدا ہو جائے گا۔ شرعی علوم کو حاصل کر کے دیگر غیر شرعی علوم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا، جائز نہیں ہے کیونکہ یہ علوم دنیاوی زندگی میں ناگزیر حیثیت رکھتے ہیں۔ امام غزالی نے اس مبحث پر اس لحاظ سے بھی گفتگو کی ہے اور نتیجہ کے طور پر دکھایا ہے کہ علم دین حاصل کرنے والوں کی مثال ان مجاہدوں سے دی جاسکتی ہے جو جہاد کے میدان میں اپنا سر ہتھیلی پر لیے دین کی حمایت میں لڑ رہے ہیں اور دوسرے علوم کے حاصل کرنے والوں کی مثال فوج کے اس دستہ سے دی جائے گی جو سرحدی قلعوں پر سرحد کی حفاظت کے لیے متعین ہوتا ہے۔([xvi])امام غزالی نے ان افعال کو جن کا تعلق براہ راست انسانی زندگی سے متعلق ہے، تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم میں انہوں نے بنیادی پیشوں کو رکھا ہے جو

ان کے نزدیک چار پیشے ہیں۔ زراعت، کپڑا سازی، تعمیر اور سیاست۔ دوسری قسم میں انہوں نے ان اعمال کو رکھا ہے جو پہلے بیان کی گئی قسم کو معاونت مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً فولاد سازی، روئی کاتنا وغیرہ، جبکہ تیسری قسم میں وہ افعال و اعمال ہیں جو بنیادی اعمال کی تکمیل کرتے ہیں، مثلاً زراعت کے لیے گندم وغیرہ کو پیسنا اور پکا کر کھانے کے قابل بنانا، لباس کے لیے کپڑے کو سینا اور دھونا وغیرہ۔ پھر ان پر اپنا تجزیہ دیتے ہوئے امام غزالی بنیادی پیشوں میں سیاست کو بلند مقام دیتے ہیں اور اس کی توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ سیاستدان دیگر تمام افراد کو اپنا مطیع بناتے اور ان سے خدمت گزاری کرواتے ہیں۔ اس کے بعد امام صاحب سیاست کو چار مراتب میں تقسیم کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی سیاست کے بعد علم کو سب سے بلند درجہ دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

الأول وهي العليا سياسة الأنبياء عليهم السلام وحكمهم على الخاصة والعامة جميعاً في ظاهرهم وباطنهم،والثانية الخلفاء والملوك والسلاطين وحكمهم على الخاصة والعامة جميعاً ولكن على ظاهرهم لا على باطنهم،والثالثة العلماء بالله عز وجل وبدينه الذين هم ورثة الأنبياء وحكمهم على باطن الخاصة فقط ولا يرتفع فهم العامة على الاستفادة منهم ولا تنتهي قوتهم إلى التصرف في ظواهرهم بالإلزام والمنع والشرع،والرابعة الوعاظ وحكمهم على بواطن العوام فقط فأشرف هذه الصناعات الأربع بعد النبوة إفادة العلم وتهذيب نفوس الناس عن الأخلاق المذمومة المهلكة وإرشادهم إلى الأخلاق المحمودة المسعدة وهو المراد بالتعليم۔[xvii]

پہلی سیاست جو سب سے اعلی و ارفع ہے، انبیائے علیہم السلام کی سیاست ہے، ان کا حکم عام و خاص پر ظاہر و باطن ہر طرح نافذ العمل ہوتا ہے۔ دوسری سیاست خلفاء، حکام اور بادشاہوں کی ہے جن کا حکم عام اور خاص سب پر ہے مگر صرف ظاہر پر باطن پر نہیں۔ تیسری سیاست ان علماء کی ہے جو اللہ اور اس کے دین کا علم رکھتے ہیں، ان کا حکم صرف خاص لوگوں کے باطن پر ہوتا ہے، عام لوگوں کا فہم اس درجہ کا نہیں ہوتا کہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں اور نہ علماء کو عوام کے ظاہر پر تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ چوتھی سیاست واعظوں کی ہے، ان کا حکم صرف عوام کے باطن پر ہوتا ہے ۔ ان چاروں سیاستوں میں نبوت کے بعد اشرف و اعلی علم کی تعلیم، لوگوں کو مہلک عادتوں اور بُری خصلتوں سے بچانا، انہیں اچھے اخلاق اور اخروی سعادت کی راہ دکھانا ہے اور تعلیم کی غرض وغایت بھی یہی ہے۔

سید ریاست علی ندوی لکھتے ہیں:

در حقیقت اسلام کے اس بلند نصب العین کا تعلق علم اور تعلیم کے مقصد اعلیٰ سے ہے، ورنہ اس نے نہ صرف ہمیں دنیاوی، عمرانی، اجتماعی اور معاشرتی ضرورتوں کے لیے دوسرے علموں کے حاصل کرنے کی اجازت دی بلکہ بعض موقعوں پر ہمت افزائی کی ہے اور ان کے تعلیم و تعلم میں دینی حیثیت سے کسی قسم کی مداخلت روا نہ رکھی ہے۔[xviii]

تبلیغ اِسلام میں جدید ٹیکنالوجی کا اِستعمال

آج کا دَور سائنسی علوم کی معراج کا دَور ہے۔ سائنس کو بجا طور پر عصری علم (contemporary knowledge) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا دَورِ حاضر میں دِین کی صحیح اور نتیجہ خیز اِشاعت کا کام جدید سائنسی بنیادوں پر ہی بہتر طور پر سرانجام دِیا جاسکتا ہے۔ اس لئے آج کل

اِس اَمر کی ضرورت گزشتہ صدیوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے کہ مُسلم معاشروں میں جدید سائنسی علوم کو فروغ دیا جائے اور دِینی تعلیم کو سائنسی تعلیم سے مربوط کرتے ہوئے حقانیتِ اِسلام کا بول بالا کیا جائے۔ چنانچہ اِسلام کی تبلیغ میں اکیسویں صدی کی اِیجادات اور سائنسی ذرائع کو بھرپور اِستعمال کرنے کی ضرورت ہے تاکہ دنیا اِسلام کے عطا کردہ پیغامِ فطرت سے آشنا ہو سکے، ورنہ ہم تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں اور نہ اِن ایجادات کو اپنی اگلی نسلوں کے دل و دماغ پر لادینیت مسلط کرنے سے روک سکتے ہیں۔

معلم کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ اُس کی آواز میں گرج ہو اور آواز اتنی بلند ہو کہ سامعین آسانی کے ساتھ اسے سن سکیں۔ اگر مخاطبین اور سامعین تک آواز ہی نہیں پہنچ رہی تو تبلیغ اور تعلیم کا بنیادی مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے پیغام کی ترسیل کے لیے اونچی آواز میں اپنے صحابہ کو فرمایا: دوزخ میں جانے والی ایڑیوں پر افسوس۔ (xix) اس لیے جدید ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاؤڈ سپیکر کے استعمال میں فائدہ نظر آتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ابلاغ کے جدید ذرائع (ٹی۔وی انٹرنیٹ وغیرہ) کو استعمال کرتے ہوئے اسلامی نظام تعلیم کے صحیح فہم سے دنیا کو آشکار کروانا علمائے اسلام کے بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ممکن ہے کہ معلم ایک بات کہے اور سامعین کو اس کی سمجھ نہ آئے تو اپنی بات کو دہرانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے۔ تکرار بات میں وزن پیدا کر دیتی ہے۔ آپ ﷺ اپنی بات کو سمجھانے کی غرض سے اسے تین تین بار بیان فرماتے تھے۔ xx

آج اس چیز پر بحث ہو رہی ہے کہ تعلیم کس زبان میں ہونی چاہیے؟ اس حوالے سے ماہرین کی رائے میں اختلاف ہے۔ بین الاقوامی زبان کی تعلیم کی افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کا سیکھنا کسی بھی حوالے سے معیوب ہے۔ ان زبانوں کا سیکھنا نہ صرف مفید ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر تجارتی و دفاعی سرگرمیوں کے لیے ناگزیر ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ جو چیز سب سے ضروری ہے وہ یہ کہ بنیادی تعلیم اس زبان میں ہونی چاہیے جس میں مخاطب زیادہ اچھے طریقے سے سمجھ سکتا ہو۔ اگر ایک شخص کو ایسی زبان میں تعلیم دی جا رہی ہو جس کو وہ سمجھتا ہی نہ ہو تو اس کا فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہی ہو سکتا ہے۔ زبان کے ساتھ اگر مخاطب کے ہی لہجہ کی بات کی جائے تو اس سے اجنبیت کا احساس بالکل ختم ہو جاتا ہے اور انسیت اور اپنائیت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے مختلف قبائل اور افراد تعلیم کے حصول کے لیے آتے تو آپ ﷺ ان کی زبان اور لہجے میں بات کیا کرتے تھے۔ کعب بن عاصم اشعری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ الفاظ کہتے سنا:

ليس من امبر امصيام في امسفر اراده ليس من البر الصيام في السفر ۔ xxi

آپ ﷺ یہ کہنا چاہتے تھے کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

اشعریوں کی لغت میں لام کو میم سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا لہجہ چھوڑ کر مخاطب کے لہجے میں بات کی جس میں مخاطب کے لیے زیادہ اپنائیت ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تاکہ اس زبان میں ان ممالک میں خط و کتابت کی جائے جہاں سریانی زبان بولی اور لکھی جاتی ہے۔ (xxii) ایک ایرانی عورت حضرت ابو ہریرہ کے پاس مقدمہ لے کر آئی کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب مجھ سے میرا بیٹا بھی چھیننا چاہتا ہے۔ اس عورت نے یہ ساری گفتگو فارسی زبان میں کی اور ابو ہریرہ نے بھی اس سے اسی زبان میں گفتگو کی اور پھر آپ نے بچہ عورت کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ (xxiii) علامہ سرخسی بیان کرتے ہیں:

روی ان الفرس کتبوا الی سلمان ان یکتب لهم الفاتحة بالفارسیة، فکانوا یقرون ذالك في الصلوة حتی لانت السنکهم للعربیة ۔[xxiv]

بیان کیا جاتا ہے کہ بعض نو مسلم ایرانیوں نے حضرت سلمان کی خدمت میں لکھا کہ ان کے لیے سورۃ الفاتحہ کو فارسی میں نقل کر دیا جائے، چنانچہ وہ لوگ (اس ترجمہ کو) نماز میں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ وہ عربی سیکھ گئے۔

مقاصد تعلیم

معاشرے کی بنیاد وہاں کے پائے جانے والے افکار اور درج بالا سوالات کے جواب پر رکھی جاتی ہے اور ان کا تمدن انہی افکار کی جھلک اور عملی شکل پیش کرتا ہے۔ وہ تمام سوالات جو ہر انسان کے شعور اور لاشعور میں چھائے رہتے ہیں اور وہ ان کا جواب جہاں سے تلاش کرتا ہے، وہ ذریعہ اس معاشرے کو ترقی کے لیے بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ انسانی تاریخ میں اس حوالے سے کئی افکار ملتے ہیں اور یہی فکری بنیادیں وہاں کے تعلیمی نظام کے مقاصد کا تعین کرتی ہیں جس سے زندگی کے رازوں سے پردہ اٹھتا ہے اور قومیں اپنے قدرتی، معدنی، زرعی، انسانی اور حیوانی وسائل کو ملکی، معاشی اور تمدنی ترقی کا ذریعہ بناتی ہیں۔ مختلف معاشروں میں مروج مختلف نظام ہائے زندگی میں بنیادی فرق وہ فلسفہ بیان کرتا ہے جو انسان کے درج بالا سوالوں کے جواب میں مختلف معاشروں میں رائج ہے اور اسی فلسفے نے الگ الگ تمدنوں کو وجود دیا۔ یہ محاورہ قبولیت عام حاصل کر چکا ہے کہ اگر معاشرے میں تعلیم کو عام کر دیا جائے تو لوگوں میں شعور اور آگہی آجاتی ہے اور وہ معاشرہ ترقی کی راہ کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے مقاصد ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے معاشرہ روحانی و معاشی آسودگی اور دنیوی و اخروی خوشحالی حاصل کر لیتا ہے؟ کیونکہ تعلیم جہاں پر ایک طرف لوگوں کو باشعور بناتی ہے، وہاں پر تنگ نظر، متعصب اور فرقہ پرست افراد بھی تعلیم یافتہ ہیں۔

اس حوالے سے مختلف تعلیمی نظام سامنے آتے ہیں جن کے مقاصد ایک دوسرے سے الگ ہی تصور کیے جاسکتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Encyclopedia Britannica) کے بقول:

تعلیمی نظام دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ایک نظام وہ ہے جسے مرکزی حکومت کنٹرول کرتی ہے۔ مرکزی حکومت پالیسی بناتی ہے، تعلیمی نظام متعارف کرواتی ہے اور اس پر عملدرآمد کرواتی ہے، جبکہ دوسرے نظام میں مرکزی حکومت کی بجائے مقامی حکومت کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی اداروں میں جیسا چاہے نظام اپنا لے۔[xxv]

ایسا نظریہ تعلیم کہ حکومت (مرکزی یا مقامی) تعلیمی نظام میں مداخلت کرے اور ایک مخصوص نصاب اساتذہ کو تھما دے اور اسے پابند کر دیا جائے کہ وہ اس نصاب سے باہر نہیں نکل سکتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ استاذ نئے نظریات اور افکار کو طلباء کے سامنے زیر بحث نہیں لاتا اور ایک خاص زاویہ اور نقطہ نظر سے ہی طلباء روشناس ہوتے ہیں اور ان کی فکری پرواز ایک مخصوص دائرے سے باہر نہیں نکل پاتی اور طالب علم اسی ایک مخصوص میدان میں سپیشلائزیشن کرتا ہے۔ دوسرا طرف ریاست کی پابندیوں سے آزاد پرائیویٹ ادارے ہیں جن کے مالکان تعلیم کو انسانیت کا بنیاد حق ماننے کی بجائے اسے ایک فیکٹری اور صنعت سمجھ کر کاروبار کی طرح چلاتے ہیں جن کا مقصد افراد سازی اور کردار سازی کی بجائے ایسے افراد کی تیاری ہے، جو سرمایہ دار طبقے کی ضروریات کو پورا کریں اور اس طبقے کی معاشی ترقی کا ذریعہ بنے۔ غلام سرور نیازی لکھتے ہیں:

ایسے نجی تعلیمی اداروں کا مقصد اس کی اور نااہلی سے فائدہ اٹھانا ہے کہ جن سے سرکاری ادارے آلودہ ہیں۔ ان تعلیمی

اداروں میں تعلیم کے ان شعبوں پر توجہ دی جاتی ہے کہ جن کی مارکیٹ میں مانگ ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کمپیوٹر سائنس اور بزنس ایڈمنسٹریشن کے نجی ادارے جگہ جگہ کھلے ہوئے ہیں۔ مارکیٹ کی مانگ پورا کرنے کے لیے یہ صرف ان شعبوں پر توجہ دیتے ہیں کہ جن کی ضرورت ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء سماجی علوم سے قطعی ناواقف ہوتے ہیں۔ تعلیم ذہنی طور پر آگہی و شعور اور نئے خیالات و افکار کی جگہ طالب علموں کو ہنر سکھا کر پیشہ ور بنا دیتی ہے اور یہ لوگ زندگی میں محض روبوٹ بن جاتے ہیں۔[xxvi]

اسلام تعلیم کو ایک نصب العین سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ اسلام نے بھی مقاصد تعلیم متعین کیے ہیں تاکہ انسان با مقصد انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔([xxvii])اس نظام تعلیم میں اول تا آخر مقصدیت پوری طرح کارفرما ہوتی ہے۔ اسلام ایسے افراد چاہتا ہے جو انفرادی طور پر اس عظیم مقصد کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوں اور اجتماعی طور پر اسلامی ریاست کے اچھے شہری ثابت ہو سکیں۔ اسلامی تعلیم کی بنیاد وحی الٰہی پر واقع ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں تعلیم کے درج ذیل مقاصد بیان ہوئے ہیں: ارشادات ربانی ہے:

رَبَّنَا وَٱبۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيهِمۡۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ۔[xxviii]

اے ہمارے رب! ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔"

کردار کی تشکیل و شخصی تعمیر

تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت طالب علم کے کردار کی تشکیل کی ہے۔ تعلیم جب تک اچھے کردار تعمیر نہیں کرے گی تب تک اپنا حقیقی مقصد یعنی معاشرے کے لیے اچھے اور مفید شہریوں کی تیاری کا مقصد کبھی حاصل نہیں کر سکے گی۔ ایک معاشرے کو صالح بنیادیں فراہم کرنے کے لیے لازم ہے کہ وہاں رہنے والے افراد کے کردار کو سنوارا جائے، اسے انسانیت سکھائی جائے۔ ان افراد کی ایسی تعلیم و تربیت کی جائے کہ وہ خود غرضی کی بجائے انسانی فلاح کی فکر کریں اور بخل کی بجائے ایثار کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔ ان کی حیوانیت اور بہیمیت کو کمزور کر کے روحانیت کو غالب کر دیا جائے جس کے لیے نفس کا تزکیہ ناگزیر ہے۔ اسلام تکمیل حیات اور تعمیر سیرت و کردار پر بہت زور دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں آمنوا و عملوا الصالحات کے حکم میں ایمان اور عمل صالح کی بیک وقت تلقین کی گئی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالۡعَصۡرِ إِنَّ الۡإِنسَانَ لَفِي خُسۡرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ[xxix]۔

زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور جنہوں نے نیکی کی اور صبر کی تلقین کی۔

تعلیم صرف تدریس کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ عمل اس قوت کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس و شعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نئی نسل کی تعلیم و تربیت ہی ہے جو اسے زندگی گزارنے کے طریقوں کا شعور دیتی ہے اور اس میں زندگی کے مقاصد و فرائض کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم ہی سے ایک قوم اپنے ثقافتی اور ذہنی ورثے کو

آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے اور ان میں زندگی کے ان مقاصد سے لگاؤ پیدا کرتی ہے، جنہیں اس نے اختیار کیا ہے۔ تعلیم ایک ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت کا نام ہے اور اس کا مقصد اعلیٰ معیار کے ایسے مہذب انسانوں کی تخلیق ہے جو ریاست کے ذمہ دار شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیں۔ عطیہ الابرشی کی تحقیق کے نتائج بھی یہی ہیں:

> 1. Moral training is the essence of Islamic education.2. Simultaneous concern with religion and worldly life.3. Stress on the profitable aspects of education.4. Study of science for the sake of science &5. Vocational, techniccal and industrial education for earning livelihood.[xxx]
>
> ۱۔ اخلاقی تربیت اسلامی تعلیم کا جوہر اور اس کی روح ہے۔ ۲۔ دینی و دنیاوی زندگی کے سدھار کی یکساں فکر، ۳۔ تعلیم کے افادی و نفع بخش پہلوؤں پر خاص زور اور ان کی خاص تاکید، ۴۔ سائنس کا سائنس کی غرض سے مطالعہ اور ۵۔ حصول معاش کے لیے پیشہ ورانہ تکنیکی اور صنعتی تعلیم۔

اسلام نے تعلیم کا جو تصور دیا ہے اس میں تعلیم منزل کی بجائے منزل کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس کا اصل مقصد طلباء میں نظریہ حیات کی تفہیم و آگہی پیدا کرنا ہے تاکہ وہ دنیا میں اپنی حیثیت کا ادراک کر سکے اور کائنات کی سب سے بڑی حقیقت، توحید کو تسلیم کرتے ہوئے عقیدہ رسالت اور آخرت پر ایمان لائے۔ ان عقائد کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثرات، اخلاقیات کے اسلامی اصول، اسلامی تمدن کی نوعیت اور ایک مسلمان کے فرائض اور اس کا مشن انہیں سمجھایا جائے۔ انہیں یہ بتایا جائے کہ وہ کس طرح اعلیٰ مقاصد کے لیے دنیا کی تمام قوتوں کو استعمال کریں۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ کردار کے بنیادی رجحانات کی اساس زندگی کے ابتدائی دور ہی میں پڑ جاتی ہے، اس دور میں تعلیمی ادارے ایک انسان کے کردار کی تعمیر میں اہم حصہ ادا کر سکتے ہیں۔ اس لیے یہ کام تعلیم کا ہے کہ وہ انسانی کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دے اور طالب علم کو تکمیل حیات کا درس دے۔ اور تعلیم کے بنیادی مقاصد میں سے یہ ایک ہے کہ تعلیم انسان کے کردار کی ایسی تشکیل کرے کہ اسے کامل بنا دے۔

اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں یعنی جسمانی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی اور تمدنی پہلوؤں کی مربوط ترقی و نشو و نما چاہتا ہے۔ قرآن جہاں "کلوا واشربوا"[xxxi] کا حکم دیتا ہے تو دوسری جگہ "ولا تسرفوا"[xxxii] کی قید بھی لگا دیتا ہے۔ معیشت کی بہتری کے لیے کوشش کرنا فرض قرار دیا گیا[xxxiii] لیکن حصول دولت کے ناجائز ذرائع کو حرام کہا۔[xxxiv] زیب و زینت کو جائز قرار دیا[xxxv] لیکن جسمانی خدوخال کی نمائش اور اغیار کو گناہ کی دعوت والے فیشن کو منع کہا[xxxvi] عبادات کو فرض قرار دیا گیا[xxxvii] مگر رہبانیت منع ہے۔[xxxviii] اسلامی تعلیم انسان کی ایسی کردار سازی کرتا ہے جو زندگی کے کسی ایک خاص پہلو کی بجائے تمام پہلوؤں میں انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ اس چیز کو قائداعظم نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا:

> "There is no doubt that our future state will and must greatly depend on the type of education we give to our children and the way we bring them up as future citizens of Pakistan... In short, (the

main purpose of education) is to build up the character of our future generations, which means highest sense of honour, integrity, selfless, service to the nation and sense of responsibility."[xxxix]

"اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہماری ریاست کے مستقبل کا انحصار نظام تعلیم پر ہو گا جو ہم اپنے بچوں کو دیں گے اور ان طریقوں پر ہو گا کہ ہم انہیں کسی طرح پاکستان کے مستقبل کے شہری بناتے ہیں۔ مختصر یہ کہ (تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے) ہم اپنی آنے والی نسل کی تعمیر سازی کریں، جس سے مراد یہ ہے کہ ان میں عزت نفس، دیانتداری، بے غرضی، قوم کی خدمت اور فرائض کی بجا آوری پیدا کریں۔

معاشرتی تقاضوں کا فہم

اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی بھرپور انداز میں اپنا کردار ادا کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلام نے تعلیمی پالیسی مرتب کرتے وقت ایسا نصاب دیا جس میں معاشرتی تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی پوری صلاحیت ہے اور معاشرتی حالات وواقعات کی تبدیلی کے ساتھ نصاب میں تبدیلی سے منع نہیں کیا۔ عصر حاضر جس میں ہر روز تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے انسان کی دینی ودنیوی ضروریات بھی بڑھتی جا رہی ہیں۔ لہذا ایسا نصاب وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے جو طلباء کو معاشرے کی روزمرہ ضروریات کو پورا کرنے کے لائق بنائے اور انہیں ان کے مذہبی، تہذیبی، معاشرتی و معاشی فرائض سمجھائے اور ان کے حقوق سے آگاہ کرے کیونکہ دنیا سے منہ پھیر کر الگ تھلگ زندگی گزارنے کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ کیونکہ اسلام میں ترک دنیا کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ یہ تو دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ([xl]) اسلام انسان کی کسی ضرورت کی نفی نہیں کرتا، صرف اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ راہ اعتدال کو اپنایا جائے۔ اسلام کے نزدیک ہر وہ علم و فن جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہو، اس کا حاصل کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ ان علوم کی فہرست میں وہ تمام علوم شامل ہیں جن کی مسلم معاشرے کو ضرورت ہو۔ سید عزیز الرحمان لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ ان مقاصد سے ہم آہنگ نظام تعلیم ہی اسلامی مقاصد کا ترجمان ہو گا اور وہی اولاد آدم کے لیے رحمت ثابت ہو گا۔ اس لیے سائنس و انفارمیشن ٹیکنالوجی، معاشیات و سیاسیات اور بین الاقوامی معاملات سمیت تمام اہم اور ضروری علوم و فنون کا حصول بلکہ ان میں کامل مہارت پیدا ہونا مقصود ہے اور اس وقت تک فرض کفایہ ہے جب تک مسلمان ان علوم میں خود کفالت حاصل نہیں کر لیتے۔[xli]

امام غزالی تعلیم کے مقصد کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

دینی اور شرعی تعلیم نصاب کا لازمی حصہ ہیں۔ اس طرح کہ مذہب کے عام اصول سے بحث کی جائے تاکہ طالب علم کے دماغ میں مذہب کے وہی اصول ذہن نشین ہوں جن کا تعلق ایمان، عبادات، اعمال اور اخلاق سے ہے جن کے بغیر با اصول زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔[xlii]

نصاب تعلیم

کسی بھی ملک کا نظام تعلیم شعوری یا غیر شعوری طور پر اس ملک کے معاشرتی رویوں، تہذیبی خصوصیات اور اخلاقی اقدار سے ہر

صورت متاثر ہوتا ہے۔ اگر یہ اثرات شعوری طور پر ہوں تو نظام تعلیم منظم اور مربوط ہو گا اور مطلوبہ نتائج کا حصول بھی آسان ہو گا۔ لیکن اگر یہ غیر ارادی یا غیر شعوری ہو تو مطلوبہ مقاصد کا حصول تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ جب کوئی معاشرہ اپنے فلسفہ حیات کو ہر صورت زندہ رکھنا چاہتا ہو اور یہی فلسفہ آئندہ نسل تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہو تو وہ اس مقصد کے لیے نظام تعلیم کا انتخاب کرتا ہے اور اسے اپنی پسندیدہ اقدار کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ عظیم قومیں اپنے فلسفہ حیات سے استقامت حاصل کرتی ہیں اور یہی فلسفہ حیات نظام تعلیم کی تشکیل کرتا ہے۔

اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر دین ہے جو حیات انسانی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے اور ہر دور کے لیے ایسے راہ نما اصول مہیا کرتا ہے جو آج تک غلط ثابت نہیں ہو سکے، ان ہی میں ایک اصول تعلیم اور نظام تعلیم ہے۔ پہلی وحی کے نزول نے اسلام کا پورا فلسفہ تعلیم پیش کر دیا۔ مسلمان جب تک اس فلسفہ حیات کے تحت اپنا نظام تعلیم مروج کرتے رہے، وہ دنیا میں کامیابیوں کے جھنڈے گاڑھتے رہے اور جب انہوں نے اس سے ہٹ کر اپنا نصاب ترتیب دیا تو وہ ناکام ہو گئے۔ نصاب سے مراد ایک منصوبہ یا لائحہ عمل ہے جس سے افراد کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نصاب کا حکم دیا گیا، وہ یہ ہے:

كَمَآ أَرۡسَلۡنَا فِيكُمۡ رَسُولٗا مِّنكُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡكُمۡ ءَايَٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمۡ تَكُونُواْ تَعۡلَمُونَ۔[xliii]

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا تمہارا تزکیہ کرتا تمہیں کتاب اور حکمت سکھاتا اور تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں تھا۔

نبی اکرم ﷺ کے تعلیمی نظام میں مختلف مضامین کا ایسی کمبی نیشن (combination) اور جامع نصاب ہے کہ اس سے مستفید ہو کر طالب علم دین و دنیا میں کامیابی اور صرف اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ تحقیق و جستجو کو ہمیشہ لازم قرار دے کر دین و دنیا میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ نصاب کو ٹھہرے ہوئے پانی کی بجائے آب رواں بنا دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کے نصاب میں قرآن، حدیث، فقہ، علم بیت، علم الانساب، ضابطہ کار، حساب، فنی تعلیم، پیشہ وارانہ تعلیم، جراحت، نرسنگ، تدریس، عسکری تعلیم وغیرہ شامل تھی جس سے اس نصاب کی ہمہ گیریت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ہم نصابی سرگرمیاں

نصابی ارتقاء میں عہد نبوی ﷺ میں کسی مخصوص عمر، درجے یا گروہ کے لیے نصاب مقرر نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ہر قسم کے مسلمان نظام تعلیم کا حصہ تھے۔ عہد نبوی میں قرآن پاک کے علاوہ حدیث، فقہ، تجوید، عقلی و دنیوی تعلیم، ھیئت، انساب، ریاضی، طب، عربی زبان و ادب، غیر ملکی زبانیں بالخصوص عبرانی، خطاطی عسکری تعلیم اور اسلحہ سازی بھی نصاب کا حصہ تھی۔ ہم نصاب مشاغل میں گھڑ سواری، اونٹ دوڑ، تیراکی، نشانہ بازی شامل تھیں۔ ([xliv]) عہد نبوی ﷺ میں بچوں کو نماز پڑھانے کے طریقے کے ساتھ ساتھ انہیں نشانہ بازی و تیراکی بھی سکھائی جاتی تھی۔ ([xlv]) ابن خلدون بیان کرتے ہیں:

درس قرآن ہر مسلم بچے کی تعلیم کا ایک ضروری جزو ہے۔ پہلے بچے کو عربی پڑھائی جائے، اس کے بعد ریاضی و ہندسے کی مشق کروائی جائے، پھر قرآن کی تعلیم دی جائے۔[xlvi]

چونکہ دور بلوغت میں عقلی نشوونما کا مکمل انحصار ایسے ماحول پر ہوتا ہے جو بچپن میں بچوں کو فراہم کیا جاتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

عراصة الصبي في صغره زيادة في عقله في كبره ۔[xlvii]

بچے کا بچپن میں چاک وچوبند ہونا اس کے دور بلوغت میں اس کی عقل میں اضافے کا سبب ہے۔

چاک وچوبندی اور چستی کے لیے کھیل کود، تیراکی اور دوسرے کھیل وغیرہ تھے۔ حضرت عمر فاروق نے جو ہدایت نامہ مرتب کر کے مختلف اسلامی ممالک کے لوگوں کے نام جاری کیا، اس کے الفاظ کچھ یوں تھے:

فعلموا اولادكم العوم والفروسة ورووهم ماسار من المثل وحسن من الشعر ۔[xlviii]

اپنے بچوں کو تیراکی، شہ سواری، منقولات اور پاکیزہ شاعری کی تعلیم دو۔"

آپ ﷺ نے دوسرے علوم وفنون مثلاً ریاضی، طب، خطاطی، علم الانساب، نشانہ بازی، دیگر زبانیں اور قانون وراثت سیکھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ ﷺ کے نصاب تعلیم سے مسلم مفکرین نے بڑے اہم نکات اخذ کیے ہیں۔ امام غزالی احیاء العلوم کے مقدمہ میں اسلامی نظام تعلیم کے پیش نظر سارے علوم کو ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن آداب متعلم کی بحث میں دینی اور غیر دینی کی تقسیم کر کے دینی علوم کو فوقیت دیتے ہیں۔ وہ علم کو محمود اور مذموم کی دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔ امام غزالی نے شرعی (قرآن وحدیث) اور غیر شرعی علوم (تفسیر، فقہ، طب، ریاضی، کاشتکاری اور صنعتی علوم) کو نصاب کا حصہ بنایا ہے۔ ان کے مطابق مضامین کی ضرورت، افادیت اور اہمیت کے پیش نظر نصاب تعلیم ترتیب دیا جائے۔ عہد نبوی ﷺ میں علم الفرائض کے علاوہ علم الانساب، علم النجوم، علم الطلب اور فنون لطیفہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ (xlix) پروفیسر رب نواز کی تحقیق کے مطابق مدینہ منورہ کی پہلی درسگاہ صفہ کے تعلیمی نصاب میں تین باتیں سکھائی جاتی تھیں۔ دینی تعلیم، عصری علوم یا اس دور کی ماڈرن تعلیم اور ووکیشنل تعلیم، لکھتے ہیں:

یہ ہماری سب سے پہلی درس گاہ، سب سے پہلی تربیت گاہ، سب سے پہلی یونیورسٹی ہے۔ اس صفہ پر مستقل طور پر ایسے لوگ بیٹھتے تھے جنہیں تین چیزیں سکھائی جاتی تھیں:

1۔ حضور ﷺ کی پوری تعلیمات قرآن وسنت۔

2۔ اس دور کے جو جدید ترین علوم تھے۔ صفہ میں سے ان لوگوں کو یہ بھی کہا گیا کہ تم عبرانی زبان سیکھ لو۔ حضرت زید سے کہا گیا تو انہوں نے سیکھی۔

3۔ اس صفہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے لیے پیشہ وارانہ تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا۔ اسی مسجد کے بغل میں میدان سبق موجود ہے۔ جہاں حضور اکرم ﷺ لوگوں کو فن سپاہ گری بھی سکھاتے تھے، دیگر فنون بھی سکھائے جاتے تھے۔[1]

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عصر حاضر میں علوم وفنون مثلاً سائنس، ٹیکنالوجی، کمپیوٹر سائنس، انفارمیشن ٹیکنالوجی وغیرہ کی تعلیم ناگزیریت کی حیثیت اختیار کر چکی ہے مگر اس کی تعلیم کن پیمانوں پر ہونی چاہیے۔ اس سلسلہ میں مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"سائنس کی مختلف شاخوں کے چند شعبے علیحدہ ہونے چاہئیں جن میں قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اب تک

کی جمع شدہ سائنٹیفک معلومات کا جائزہ لیا جائے جو قرآن نے کھینچ دیے ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب سائنس کی کتاب نہیں ہے نہ اس کے موضوع کا براہ راست سائنس سے کوئی تعلق ہے، لیکن چونکہ یہ بھی اسی مصنف کی تصنیف ہے، جس نے کائنات کو تصنیف کیا ہے اور وہ مصنف اپنی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں جگہ جگہ استدلال و استشہاد کا کام لیتا ہے، اس لئے اس گہرے مطالعہ سے سائنس کے ایک طالب علم کو نہ صرف نظامِ کائنات کا بنیادی فارمولہ معلوم ہو جاتا ہے، بلکہ قریب قریب ہر شعبہ میں اسے ایک نقطہ صحیح آغاز اور تلاش و تجسس کے لیے ایک صحیح رخ بھی ملتا ہے۔[li]

کائنات میں غور و فکر کے دَوران ایک سائنسدان کو بارہا اقدام و خطاء (trial & error) کی حالت سے گزرنا پڑتا ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کی تحقیق سے کسی چیز کو سائنسی اِصطلاح میں 'حقیقت' کا نام دے دِیا جاتا ہے مگر مزید تحقیق سے پہلی تحقیق میں واقع خطا ظاہر ہونے پر اُسے ردّ کرتے ہوئے نئی تحقیق کو ایک وقت تک کیلئے حتمی قرار دے دیا جاتا ہے۔ سائنسی طریقِ کار میں اگرچہ ایک 'مفروضے' کو مسلّمہ 'نظریئے' تک کا درجہ دے دیا جاتا ہے، تاہم سائنسی طریقِ تحقیق میں کسی نظریئے کو بھی ہمیشہ کیلئے حقیقت کی حتمی شکل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سائنس کی دُنیا میں کوئی نظریہ جامد (unchangeable) اور مطلق (absolute) نہیں ہوتا، ممکنہ تبدیلیوں کا اِمکان بہر حال موجود رہتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نئے تجربات کی روشنی میں صدیوں سے مسلّمہ کسی نظریئے کو مکمل طور پر مسترد کر دیا جائے۔ دوسری طرف مذہب اِقدام و خطاء سے مکمل طور پر آزاد ہے کیونکہ اُس کا تعلق اللہ ربّ العزت کے عطا کردہ علم سے ہوتا ہے، جو حتمی، قطعی اور غیر متبدل ہے اور اُس میں خطاء کا کلیتاً کوئی اِمکان نہیں ہوتا۔

مذہب مابعد الطبیعیاتی (metaphysical) حقائق سے آگہی کے ساتھ ساتھ ہمیں اِس مادّی کائنات سے متعلق بھی بہت سی معلومات فراہم کرتا ہے، جن کی روشنی میں ہم سائنسی علوم کے تحت اِس کائنات کو اپنے لئے بہتر اِستعمال میں لا سکتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ۔[lii]

"اور اُس (اللہ) نے سماوِی کائنات اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔"

جہاں تک مذہب کا معاملہ تھا اُس نے تو ہمیں اِس حقیقت سے آگاہ کر دِیا کہ زمین و آسمان میں جتنی کائنات بکھری ہوئی ہے سب اِنسان کے لئے مسخر کر دی گئی ہے۔ اَب یہ اِنسان کا کام ہے کہ وہ سائنسی علوم کی بدولت کائنات کی ہر شے کو اِنسانی فلاح کے نکتۂ نظر سے اپنے لئے بہتر سے بہتر اِستعمال میں لائے۔ اِسی طرح ایک طرف ہمیں مذہب یہ بتاتا ہے کہ جملہ مخلوقات کی تخلیق پانی سے عمل میں آئی ہے تو سائنس اور ٹیکنالوجی کی ذِمہ داری یہ رہنمائی کرنا ہے کہ بنی نوع اِنسان کو پانی سے کس قدر فوائد بہم پہنچائے جا سکتے ہیں اور اُس کا طریقِ کار کیا ہو۔ چنانچہ اِس ساری بحث سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سائنس اور مذہب کہیں بھی اور کسی درجے میں بھی ایک دُوسرے سے متصادِم نہیں ہیں۔

نتائجِ بحث

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اِسلام اپنے ماننے والوں کو مذہب اور سائنس دونوں کا نور عطا کرتا ہے۔ اِس لئے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اِسلام دُنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ دِین ہے، جو نہ صرف قدم قدم پر سائنسی علوم کے ساتھ چلتا نظر آتا ہے بلکہ تحقیق و جستجو کی راہوں میں

سائنسی ذِہن کی ہر مشکل میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔ واضح رہے کہ جوں جوں سائنس ترقی کر رہی ہے اِسلام کی حقانیت ثابت ہوتی جارہی ہے اور جدید سائنس کی ترقی سے مذہب کا نور نکھر تا جارہا ہے اور ایک وقت آئے گا کہ جب سائنس اپنی تحقیقات کے نکتۂ کمال کو پہنچے گی تو اللہ کے دین کا ہر اِیمانی تصور سائنس کے ذرِیعے صحیح ثابت ہو جائے گا۔ قرآنِ مجید اور سائنس کا تقابلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس کے بے شمار نظریات قرآنی تصورات کو صد فی صد صحیح ثابت کرتے ہیں اور وہ دِن دُور نہیں جب سائنس کلی طور پر دینی نظریات کی تائید و توثیق کرنے لگے گی۔

---

[i] آل عمران، 191:3

[ii] حٰمٓ السجدۃ، 53:41

[iii] لویس معلوف، المنجد فی اللغۃ، دار المشرق، بیروت لبنان، ۱۹۷۳ء، ص:۵۲۷

[iv] بلیاوی، عبد الحفیظ، مصباح اللغات، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی پاکستان، ۱۹۸۱ء، ص:۵۵۱

[v] سید محمد عبد اللہ، ڈاکٹر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۳ء، ص:۴۴۳

[vi] Francis Bacon, Sir, The Essays, (New Kitab Mahal, Lahore, 2007), p: 144

[vii] البقرۃ:۲:۲۵۷

[viii] ابن ماجۃ، محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، دار الرسالۃ العالمیۃ الطبعۃ: الأولی، 1430ھ-2009م، ج1، ص144، ح211

[ix] Encyclopedia Britannica, 6/317-318

[x] الغزالي، محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین، دار المعرفۃ-بیروت، ج1، ص14

[xi] الغزالي، محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین، دار المعرفۃ-بیروت، ج1، ص15

[xii] الغزالي، محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین، دار المعرفۃ-بیروت، ج1، ص16

[xiii] اصبھانی، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۹/۱۴۲

[xiv] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الطب، باب ھل یداوی الرجل المرأۃ أو المرأۃ الرجل، (۵۶۷۹)

[xv] ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد بن محمد، تاریخ ابن خلدون، دار الفکر، بیروت الطبعۃ: الثانیۃ، 1408ھ-1988م، ج1، ص549-550

[xvi] الغزالي، محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین، دار المعرفۃ-بیروت، ج1، ص53

[xvii] الغزالي، محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین، دار المعرفۃ-بیروت، ج1، ص13

[xviii] ندوی، سید ریاست علی، اسلامی نظام تعلیم، (اعظم گڑھ یوپی، دار المصنفین شبلی اکیڈمی 2011)، ص۳۸

[xix] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، بالمطبعۃ الکبری الأمیریۃ، ببولاق مصر، 1311، ج1، ص22، ح60

[xx] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، بالمطبعۃ الکبری الأمیریۃ، ببولاق مصر، 1311، ج1، ص30، ح95

[xxi] الخطیب البغدادي، أحمد بن علي، الکفایۃ في علم الروایۃ، المکتبۃ العلمیۃ-المدینۃ المنورۃ، ص183

[xxii] الترمذي، محمد بن عیسی، السنن الترمذی شریف، دار الغرب الإسلامي-بیروت الطبعۃ: الأولی، 1996م، ج4، ص439، ح2715

[xxiii] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، المطبعۃ الأنصاریۃ بدھلي-الھند 1323ھ، ج3، ص588، ح2277

[xxiv] شمس الأئمۃ السرخسي، محمد بن أحمد، المبسوط، دار المعرفۃ-بیروت تاریخ النشر: 1414ھ-1993م، ج1، ص37

[xxv] The New Encyclopedia Britannica, 18/115-119,

[xxvi] غلام سرور خان نیازی، ڈاکٹر، پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، (قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۲ء، اسلام آباد)، ص ۲۲۵

[xxvii] ظفر حسین خان، اساس تعلیم، ص ۵۸

[xxviii] البقرہ، ۲:۱۲۹

[xxix] العصر، 1:۱۰۳-3

[xxx] Al-Abrashi, Atiya, Education in Islam, Translated by Ismal Kashmiri, p: 35

[xxxi] الاعراف، ۷:۳۱

[xxxii] الاعراف، ۷:۳۱

[xxxiii] القصص: ۲۸:۷۳

[xxxiv] البقرہ، ۲:۲۷۵

[xxxv] الاعراف، ۷:۳2

[xxxvi] الاحزاب ۳۳:۳۳

[xxxvii] البقرہ، ۲:۱۸۳

[xxxviii] القطلاني، أحمد بن محمد بن أبي بكر، المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، المكتبة التوفيقية، القاهرة - مصر، ج2، ص226

[xxxix] M. Farooq, Dr., Education System of Pakistan, p: 111

[xl] البقرہ، ۲:۲۰۱

[xli] سید عزیز الرحمان، پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، ص ۳۹

[xlii] ضیاء الدین احمد، آل پاکستان ایجوکیشن کانفرنس، ص ۸۴

[xliii] البقرہ، ۲:۱۵۱

[xliv] عابد خان، غلام، عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم، ص ۱۲

[xlv] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام تعلیم، نقوش رسول نمبر، ۴/۱۳۵

[xlvi] محمد تقی عثمانی، ماہنامہ البلاغ، ص ۱۸-۲۴

[xlvii] العلوان، عبد اللہ ناصح، تربیت الاولاد فی الاسلام، ج2، ص105

[xlviii] الجاحظ، البیان والتبیین"، ج2، ص125

[xlix] رب نواز، آنحضور ﷺ کی تعلیمی جدوجہد، ص ۵۰-۲۳

[l] ایم نذیر احمد تشنہ، پروفیسر، پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، ص ۱۳۰

[li] مودودی، ابوالاعلی سید، تعلیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، 2002ء، ص72

[lii] الجاثیہ، 13:45